سانحہ کربلا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

حافظ صلاح الدین یوسف مشیر وفاقی شرعی عدالت

سانحہ شہادت حسینؓ اور واقعات کربلا کے موضوع پر آج سے کئی صدیاں قبل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) نے جو کچھ لکھا تھا وہ حق و اعتدال کا ایک بہترین نمونہ، دلائل و براہین کا نادر مرقع اور خداداد فہم صحیح کا شاہکار ہے۔ انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مقامات پر اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ بالخصوص ''منہاج السنۃ'' میں اس پر بڑی عمدہ بحث فرمائی، جس کی ضروری تلخیص مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم نے اردو میں کر کے شائع کر دی تھی۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم ذیل میں امام موصوف کی وہ ترجمہ شدہ تحریر بھی قدرے ترمیم کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ آیات و احادیث کے عربی الفاظ کا اصل کتاب سے مراجعت کر کے ہم نے اضافہ کر دیا ہے۔ (مرتب)

تمہید

علماء اسلام میں کوئی ایک بھی یزید بن معاویہ کو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی طرح خلفائے راشدین میں سے نہیں سمجھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ: (خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوتى الله الملك من يشاء) (احمد، ترمذی) ترجمہ: ''خلافت تیس برس تک منہاج نبوت پر رہے گی۔ پھر سلطنت ہو جائے گی۔ (یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں)

علماء اہلسنت اس حدیث کے مطابق یزید اور اس جیسے آدمی اور عباسی خلفاء کو محض فرمانروا بادشاہ اور اسی معنی میں خلیفہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیال درست ہے۔ یہ ایک محسوس واقعہ ہے جس سے انکار غیر ممکن ہے۔ کیونکہ یزید اپنے زمانہ میں عملاً ایک بادشاہ، ایک حکمران، ایک صاحب سیف اور خود مختار فرمانروا تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور شام، مصر، عراق، خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں اس کا

حکم نافذ ہوا۔ حضرت حسینؓ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حاکم ہوں۔ یوم عاشورہ ۶۰ ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

بلا شبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید سے اختلاف کیا اور باشندگان مکہ وحجاز نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ عبداللہ نے خلافت کا دعویٰ یزید کی زندگی میں نہیں کیا بلکہ اس کے مرنے کے بعد کیا یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ کہ شروع شروع میں اختلاف کرنے کے باوجود عبداللہ بن زبیرؓ یزید کے جیتے جی ہی اس کی بیعت پر رضامند ہو گئے تھے۔ مگر چونکہ اس نے یہ شرط لگا دی تھی کہ قید ہو کر ان کے حضور میں حاضر ہوں اس لئے بیعت رہ گئی اور باہم جنگ برپا ہوئی۔ پس اگرچہ یزید تمام بلاد اسلامیہ کا حکمران نہیں ہوا اور عبداللہ بن زبیرؓ کا ماتحت علاقہ اس کی اطاعت سے برگشتہ رہا تاہم اس سے اس کی بادشاہت اور خلافت میں شبہ نہیں رہ سکتا کیونکہ خلفائے ثلاثہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور پھر معاویہ ابن ابی سفیانؓ، عبدالملک بن مروان اور اس کی اولاد کے سوا کوئی بھی اموی یا عباسی خلیفہ بلاد اسلامیہ کا تنہا فرمانروا نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تمام دنیائے اسلام کی حکومت نہ تھی۔

بادشاہوں پر خلیفہ کا اطلاق؟

پس اگر اہل سنت ان بادشاہوں میں کسی کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں تو اس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں خود مختار تھا، طاقتور تھا، صاحب سیف تھا عزل ونصب کرتا تھا، اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا۔ حدود شرعی قائم کرتا تھا، کفار پر جہاد کرتا تھا، یزید کو بھی امام وخلیفہ کہنے سے یہی مطلب ہے اور یہ ایک ایسی واقعی بات ہے کہ اس کا انکار غیر ممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار بادشاہ ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، حکمران نہیں تھے یا یہ کہ قیصر وکسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔

یہ خلفاء معصوم نہ تھے

رہا یہ مسئلہ کہ یزید، عبدالملک، منصور وغیرہ خلفاء نیک تھے یا بد؟ صالح تھے یا فاجر؟ تو علماء اہل سنت نہ انہیں معصوم سمجھتے ہیں نہ ان کے تمام احکام واعمال کو عدل وانصاف قرار دیتے ہیں اور نہ ہر بات میں ان کی اطاعت واجب تصور کرتے ہیں۔ البتہ اہل سنت والجماعت کا یہ خیال ضرور ہے کہ عبادت کی

اطاعت کے بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ وعیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں۔ ان کے ساتھ کفار پر جہاد کیا جاتا ہے۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں ان سے مدد ملتی ہے۔ نیز اسی نوع کے دوسرے معاملات میں اگر حکام نہ ہوں تو ان اعمال کا ضائع ہو جانا اغلب ہے بلکہ ان میں سے بعض کا موجود ہونا ہی غیر ممکن ہے۔

نصب امام کے چند اصول

اہل سنت کے اس طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اعمال صالحہ انجام دینے میں اگر نیکیوں کے ساتھ برے اعمال بھی شامل ہوں تو اس سے نیکیوں کے عمل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلا شبہ یہ بالکل درست ہے کہ اگر عادل صالح امام کا نصب ممکن ہو تو فاجر و مبتدع شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ اہل سنت کا بھی یہی مذہب ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو بلکہ امامت کے دونوں مدعی فاجر، مبتدع ہوں تو ظاہر ہے کہ حدود شرعیہ و عبادات دینیہ کے قیام کیلئے دونوں میں سے زیادہ اہلیت و قابلیت والے کو منتخب کیا جائے گا۔ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جو صالح ہو مگر سپہ سالاری کے فرائض و واجبات ادا کرنے کا اہل نہ ہو۔ اس کے خلاف ایک فاجر شخص ہو جو بہترین طریق پر فوجوں کی قیادت کرسکتا ہو تو جس حد تک جنگی مقاصد کا تعلق ہے۔ یقیناً اسی آخر الذکر یعنی فاجر کو سربراہ بنانا پڑے گا۔ نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت و امداد کی جائے گی۔ بدی اور برائی میں اس پر اعتراض و انکار کیا جائے گا۔

حفظ مصالح اور دفع مقاصد

غرض امت کی مصلحتوں کا لحاظ ہے۔ اگر کسی فعل میں بھلائی اور برائی دونوں موجود ہوں تو دیکھا جائے گا کس کا پلہ بھاری ہے۔ اگر بھلائی زیادہ نظر آئے تو اس فعل کو پسند کیا جائے گا اگر برائی غالب دکھائی دے تو اس کے ترک کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالح کی تائید و تکمیل فرمائیں اور مفاسد مٹائیں یا کم کریں۔ یزید، عبدالملک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لئے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کیلئے نقصان نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان خلفاء پر جن لوگوں نے خروج کیا ان سے امت کو سراسر نقصان پہنچا۔ نفع ذرا بھی نہیں ہوا۔ بلا شبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اخیار و فضلاء بھی شامل تھے مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے اپنے خروج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا اور نہ ہی دنیوی نفع حاصل کیا اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل کا حکم

نہیں دیتا جس میں نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا۔ جن لوگوں نے خروج کیا ان سے کہیں زیادہ افضل حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عائشہؓ وغیرہم صحابہ تھے مگر انہوں نے اپنی خونریزی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

عہد فتن میں خروج کی ممانعت

یہی وجہ ہے کہ حسن بصریؒ، حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے اور کہتے تھے ''حجاج اللہ کا عذاب ہے اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو، بلکہ اللہ کے سامنے تضرع وزاری کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ولقد اخذنا هم بالعذاب فما استكانوا لربهم وما يتضرعون﴾ (المومنون:۷۶) ترجمہ: ''یعنی ہم نے ان کی عذاب کے ذریعے گرفت کی انہوں نے پھر بھی اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی کا اظہار کیا اور نہ اس کے حضور گڑگڑائے۔''

اسی طرح اور اخیار و ابرار بھی خلفاء پر خروج اور عہد فتنہ جنگ سے منع کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن المسیبؒ، حضرت زین العابدین علی بن حسینؒ وغیرہم۔

اکابر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنھم جنگ حرہ کے زمانے میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے سے روکتے تھے۔ احادیث صحیحہ بھی اسی مسلک کی مؤید ہیں۔ اس لئے اہل سنت کے نزدیک یہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ عہد فتن میں قتال و جدال سے اجتناب اور جور آئمہ پر صبر کیا جائے۔ وہ یہ مسئلہ اپنے عقائد میں بھی ذکر کرتے رہے ہیں اور جو شخص متعلقہ احادیث اور اہل سنت کے صاحب بصیرت علماء کے طرز عمل وفکر میں تامل کرے گا اس پر اس مسلک کی صحت وصداقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

حضرت حسینؓ کا عزم عراق

اس لئے جب حضرت حسینؓ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم وتقوی مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارثؓ نے ان سے بہ منت کہا کہ وہاں نہ جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے آپؓ ضرور شہید ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ روانگی کے وقت بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ: (استودعک الله من قتيل) ترجمہ: ''اے شہید ہم تمہیں اللہ کو سونپتے ہیں۔''

اور بعضوں نے کہا: (لولا الشناعة لا مسكتك و منعتك من الخروج) ترجمہ: ''اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز نہ جانے دیتے۔''

اس مشورہ سے ان لوگوں کے مدنظر صرف آپ کی خیرخواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی مگر حضرت

حسینؓ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت حسینؓ کو عراق جانے سے روکنے والوں ہی کی رائے درست تھی کیونکہ آپ کے جانے سے ہرگز کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل نہ ہوئی بلکہ یہ مصرت پیدا ہوئی کہ سرکشوں اور ظالموں کو پیغمبر ﷺ کے جگر گوشے پر قابو مل گیا اور وہ مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ آپ کے جانے اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے۔ اگر آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے کیونکہ جس خیر وصلاح کے قیام اور شر وفساد کے دفعیہ کیلئے آپ اٹھے تھے اس میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ برعکس اس کے شر کو غلبہ اور عروج حاصل ہو گیا۔ خیر وصلاح میں کمی آ گئی اور ایک دائمی فتنہ کا دروازہ کھل گیا۔ جس طرح حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے فتنے پھیلے اسی طرح حضرت حسینؓ کی شہادت نے بھی فتنوں کے سیلاب بہا دیئے۔

حضرت حسینؓ کا مقام بلند

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ؐ کا آئمہ وخلف کے ظلم پر صبر کرنے اور ان سے جنگ و بغاوت نہ کرنے کا حکم مناسب اور امت کے دین و دنیا کیلئے زیادہ بہتر تھا اور جنہوں نے بالقصد یا بلا قصد اس کی مخالفت کی۔ ان کے فعل سے امت کو فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچا۔ یہی سبب ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسنؓ کی تعریف میں فرمایا تھا: (ان ابنی ھذا سید وسیصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین) (البخاری، المشکوۃ) ترجمہ: ''میرا یہ فرزند سردار ہے عنقریب اللہ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔''

لیکن اس بات پر کسی شخص کی بھی تعریف نہیں کی کہ وہ فتنہ میں پڑے گا یا خلفاء پر خروج کرے گا یا اطاعت سے برگشتہ یا جماعت سے منحرف ہوگا۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دو گروہوں میں صلح کرانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نظر میں مستحسن اور محبوب ہے اور حضرت حسنؓ کا خلافت سے دستبردار ہو کر مسلمانوں کی خونریزی کا خاتمہ کر دینا ان کے فضائل میں ایک عظیم ترین فضیلت ہے کیونکہ اگر خانہ جنگی واجب، مستحب ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے ترک پر ہرگز تعریف نہ فرماتے۔

یہاں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ نبی کریم ﷺ، حضرت حسنؓ اور حصرت اسامہ بن زیدؓ کو ایک ساتھ گود میں لے کر فرمایا کرتے تھے ''اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی محبت کر۔'' چنانچہ جس طرح آپؐ اپنی محبت میں دونوں کو یکساں شریک کرتے تھے اسی طرح بعد میں یہ دونوں خانہ

جنگیوں سے یکساں طور پر نفرت کرتے تھے۔ حضرت اسامہؓ تو جنگ صفین کے دن اپنے گھر بیٹھ رہے تھے اور حضرت حسنؓ ہمیشہ اپنے پدر و برادر (حضرت علیؓ اور حسینؓ) کو جنگ سے باز رہنے کا مشورہ دیتے تھے۔ پھر جب خود با اختیار ہوئے تو جنگ سے دستبردار ہو گئے اور لڑنیوالوں میں صلح قائم کر دی خود حضرت علیؓ پر بھی آخر میں یہ حقیقت روشن ہو گئی تھی کہ جنگ کے جاری رہنے سے زیادہ اس کے ختم ہو جانے میں مصلحت ہے۔ پھر حضرت حسینؓ بھی کربلا پہنچ کر جنگ سے بیزار اور سرے سے دعوی امارت وخلافت سے ہی دستبردار ہو گئے تھے اور کہتے تھے مجھے وطن لوٹ جانے دو''۔

اطاعت فی المعروف

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ یزید کا معاملہ کوئی خاص جداگانہ معاملہ نہیں بلکہ دوسرے مسلمان بادشاہوں کا سا معاملہ ہے۔ یعنی جس کسی نے اطاعت الٰہی مثلاً نماز، حج، جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اقامت حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی، اسے اپنی اس نیکی اور اللہ ورسول ﷺ کی فرمانبرداری پر ثواب ملے گا۔ چنانچہ اس زمانہ کے صالح مومنین مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا یہی طریقہ تھا۔ لیکن جس نے ان بادشاہوں کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں مددگار رہا، وہ گناہگار رہا اور زجر وتوبیخ اور مذمت وسزا کا سزاوار، یہی باعث ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید وغیرہ امراء کی ماتحتی میں جہاد کو جاتے تھے۔ چنانچہ جب یزید نے اپنے باپ معاویہؓ کی زندگی میں قسطنطنیہ کا غزوہ کیا تو اس کی فوج میں حضرت ابوایوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی شریک ہوئے تھے۔ (یہ غزوہ ۵۱ھ میں ہوا جس میں حضرت حسینؓ یزید کی ماتحتی میں شریک تھے۔ (البدایہ ۸/ ۱۵۱) ظاہر ہے اس اثناء میں نمازیں بھی یزید کے پیچھے پڑھتے رہے'' یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی فوج ہے جس نے قسطنطنیہ کا غزوہ کیا اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لھم) ترجمہ: ''جو فوج سب سے پہلے قسطنطنیہ کا غزوہ کرے گی وہ مغفور یعنی بخشی بخشائی ہے۔''

یزید کے بارے میں افراط و تفریط

اس تفصیل کے بعد اب ہم کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں نے افراط وتفریط سے کام لیا ہے ایک گروہ تو اسے خلفائے راشدین اور انبیاء مقربین میں سے سمجھتا ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔ دوسرا گروہ اسے باطن میں کافر ومنافق بتاتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ اس نے قصداً حضرت حسینؓ کو شہید کیا اور مدینہ میں قتل عام کرایا

تاکہ اپنے ان رشتہ داروں کے خون کا بدلہ لے جو بدر وخندق وغیرہ کی جنگوں میں بنی ہاشم اور انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اور یہ کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اس نے یہ شعر پڑھے تھے۔

لمابدت تلک الحمول واشرفت تلک الرؤس علیٰ ابی جیرون نعق الغراب فقلت نح اولا تنح فلقدقضیت من النبی دیو نی لیت اشیا خی ببدر شھدوا جزع الخزرج من وقع الاسل قد قتلنا القرون من ساداتھم وعدلنا ببدر فاعتدل۔ ترجمہ: ''جب وہ سواریاں اور سر جیرون کی بلندیوں پر نمودار ہوئے۔تو کوا چلایا اس پر میں نے کہا، تو نوحہ کر یا نہ کر، میں نے تو نبی سے اپنا قرض پورا پورا وصول کر لیا۔(یا یہ کہ اس نے کہا) کاش میرے بدر والے بزرگ، نیزوں کی مار سے خزرج وانصار کی دہشت دیکھتے۔ہم نے ان کے سرداروں میں چوٹی کے سردار قتل کر ڈالے اور اس طرح بدر کا بدلہ اتار دیا۔یہ تمام اقوال سراسر بہتان اور جھوٹ ہیں۔''

حقیقت حال

حقیقت یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیا دار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا۔رہے حسینؓ تو بلاشبہ وہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم وقہر کے ہاتھوں جام شہادت پی چکے تھے۔لاریب حسینؓ کی شہادت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت اور نافرمانی ہے اس سے وہ تمام لوگ آلودہ ہیں جنہوں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

شہادت کا رتبہ بلند

شہادت حسینؓ اگرچہ امت کیلئے بہت بڑی مصیبت ہے لیکن خود حضرت حسینؓ کے حق میں ہرگز مصیبت نہیں بلکہ شہادت، عزت اور علو منزلت ہے۔یہ سعادت بغیر مصائب ومحن میں پڑے حاصل نہیں ہوسکتی۔ چونکہ نبیؐ کے دونوں نواسے (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) گہوارہ اسلام میں پیدا ہوئے۔امن وامان کی گود میں پلے اور ہولناک مصائب سے دور رہے۔جن کے طوفانوں میں ان کے اہل بیت مردانہ وار تیرتے پھرتے تھے۔اس لئے شہداء خوش بختی کے اعلیٰ درجات ومنازل تک پہنچنے کیلئے انہیں کٹھن مرحلے سے گزرنا ضروری تھا۔ چنانچہ دونوں گزر گئے ایک کو زہر دیا گیا اور دوسرے کے گلے پر چھری پھیری گئی۔

بڑی بڑی اہم شہادتیں

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسینؓ کا قتل کسی حال میں بھی ان انبیاء کے قتل سے زیادہ گناہ اور

مصیبت نہیں جنہیں بنی اسرائیل قتل کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا قتل بھی ان کے قتل سے زیادہ گناہ اور امت کیلئے زیادہ بڑی مصیبت تھا۔

صبر نہ کہ جزع فزع

یہ حوادث کتنے ہی دردناک ہوں بہر حال ان پر صبر کرنا اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا چاہئے کیونکہ اس سے رب خوش ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ ترجمہ: ''ان صبر گزاروں کو خوشخبری دے دیجئے جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو ان کی زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو جاتا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت حسینؓ کی حدیث

مسند امام احمد اور سنن ابن ماجہ میں خود حضرت حسینؓ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی حدیث ہے کہ میرے باپ نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا کہ: (ما من مسلم یصاب بمصیبۃ فیذکر مصیبۃ و ان قدمت فیحدث لھا استرجاعا الا اعطاہ اللہ من الاجر مثل اجرہ یوم اصیب بھا) ترجمہ: ''جو مسلمان بھی اپنی مصیبت کو (اگرچہ وہ کتنی ہی پرانی ہوگئی ہو) یاد کر کے صبر کرتا ہے۔ اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی ثواب دیتا ہے جتنا خود مصیبت نازل ہونے کے وقت دے چکا ہے۔

حضرت فاطمہؓ نے میدان کربلا میں اپنے پدر بزرگوار کا ہیبت ناک قتل دیکھا تھا۔ اس لئے ان کی یہ حدیث خاص طور پر قابل حجت اور ہر مسلمان کیلئے دعوت صبر و عزیمت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ حضرت حسینؓ کی ناقابل فراموش مصیبت پر ہمیشہ صبر سے کام لے اور وہی کرے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہے۔ یہ نہیں چاہئے کہ فرط غم سے سینہ پیٹے یا گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے بین شروع کر دے۔ یہ باتیں حرام ہیں۔ اللہ کو ناپسند ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ ان کے مرتکب سے براءت کا اعلان کر چکے ہیں۔

ماتم اور بین کرنے والے ہم میں سے نہیں۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ: (لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب و دعا بدعوی الجاھلیۃ) ترجمہ: ''جس نے منہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے بین کئے وہ ہم میں سے نہیں۔''

نیز آپ ﷺ نے صالقہ، حالقہ اور شاقہ سے اپنے تئیں بری بنایا ہے: (انا بری من الصالقۃ و الحالقۃ و الشاقۃ) ترجمہ: '' صالقہ بین کرنے والی عورتیں، حالقہ غم سے بال منڈا ڈالنے والی اور شاقہ

گریبان پھاڑنے والی عورتیں۔

نیز فرمایا: (ان النائحة اذا لم تتب قبل موتها فانها تلبس يوم القيامة درعا من جرب وسربالا من قطران) ترجمہ: ''اجرت پر نوحہ کرنے والی عورتیں اگر توبہ کے بغیر مرجائیں گی تو اللہ قیامت کے دن خارشی قمیض اور گندھک کا جامہ پہنائے گا۔ اس قسم کی عورت حضرت عمرؓ کے پاس لائی گئی تو آپ نے اسے مارنے کا حکم دیا۔ سزا کے دوران اس کا سر کھل گیا تو لوگوں نے عرض کیا! امیر المومنین اس کا سر برہنہ ہوگیا ہے فرمایا کچھ پروانہیں۔ اس کی کوئی حرمت نہیں کیونکہ لوگوں کو مصیبت میں صبر کرنے سے منع کرتی ہے حالانکہ اللہ نے صبر کا حکم دیا ہے اور یہ رونے کی ترغیب دیتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے اس سے منع کیا ہے زندہ کو فتنہ میں ڈالتی ہے مردہ کو تکلیف دیتی ہے۔ اپنے آنسو فروخت کرتی ہے اور دوسروں کیلئے بناوٹ سے روتی ہے یہ تمہاری میت پر نہیں روتی بلکہ تمہارا پیسہ لینے کیلئے آنسو بہاتی ہے۔

شہادت حسینؓ کے بارے میں افراط وتفریط

جس طرح لوگوں نے یزید کے بارے میں افراط وتفریط سے کام لیا ہے۔ اسی طرح بعضوں نے حضرت حسینؓ کے بارے میں بے اعتدالی برتی ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے (معاذ اللہ) ان کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت کو توڑنے کی کوشش کی تھی اور جو ایسا کرے اس کا قتل واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ فرما چکے ہیں: (من جاء كم وامر كم على رجل واحد يريد ان يفرق جماعتكم فاقتلوه) ترجمہ: ''اتفاق کی صورت میں جو تم میں پھوٹ ڈالنے آئے اسے قتل کر ڈالو۔''

حضرت حسینؓ بھی پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے۔ اس لئے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے۔ بلکہ بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اسلام میں اولین باغی حسینؓ ہے۔

ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے۔ حضرت حسینؓ امام برحق تھے ان کی اطاعت واجب تھی ان کے بغیر ایمان کا کوئی تقاضا بھی پورا نہیں ہوسکتا۔ جماعت اور جمعہ اسی کے پیچھے درست ہے جسے انہوں نے مقرر کیا اور جہاد نہیں ہوسکتا جب تک ان کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔

مقابلہ کا ارادہ ترک کردیا

اس افراط وتفریط سے ہٹ کر اہل سنت والجماعت نہ پہلے گروہ کے ہمنوا ہیں اور نہ دوسرے گروہ کے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت حسینؓ مظلوم شہید کئے گئے۔ ان کے ہاتھ امت کی سیاسی باگ ڈور نہیں آئی۔

علاوہ برآں مذکورہ بالا احادیث ان پر چسپاں نہیں ہوتیں کیونکہ جب انہیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے اس ارادہ سے دستبردار ہو گئے تھے (یعنی راستہ ہی سے واپس مکہ جانے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن مسلم کے بھائیوں کے اصرار کا ساتھ دینا پڑا، جیسا کہ شیعہ سنی سب تاریخوں میں ہے۔ص، ی)

اور فرماتے ہیں (یعنی منزل مقصود پر پہنچ کر جب ابن زیاد کی فوج کے سربراہ عمر بن سعد سے گفتگو مصالحت کے سلسلہ میں حضرت حسینؓ نے متن میں مذکورہ تین باتیں فرمائیں۔ مجھے وطن جانے دو یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جاملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو۔ (اس تیسری بات کے بارے میں تاریخ طبری (۳۱۳/۵، طبع جدید) میں یہ الفاظ ہیں: یعنی میں براہ راست یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دوں گا (بیعت کرلوں گا) پھر وہ جیسا کہ مناسب سمجھے کرلے گا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ایک جگہ یہ الفاظ ذکر کئے ہیں ۔: **وطلب ان یردوہ الی یزید ابن عمه حتی یضع یده فی یده اویر جع من حیث جاء او یلحق بعض الثغور** (راس الحسین ص۲۰) مطلب وہی ہے جو متن میں ہے

شہادت حسینؓ کا نتیجہ صحابہؓ سے بد گمانی اور بدعات محرم کا ظہور

شہادت حسینؓ کی وجہ سے شیطان کو بدعتوں اور ضلالتوں کے پھیلانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ کچھ لوگ یوم عاشورہ میں نوحہ و ماتم کرتے ہیں۔ منہ پیٹتے ہیں، روتے، چلاتے ہیں بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ مرثیے پڑھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ سلف وصحابہؓ کو گالیاں دیتے ہیں۔ لعنت کرتے ہیں اور ان بے گناہ لوگوں کو لپیٹ لیتے ہیں۔ جنہیں واقعات شہادت سے دور ونزدیک کا کوئی تعلق نہ تھا بلکہ:

السابقون الأولون من المهاجرين والأنصار کو بھی گالیاں دیتے ہیں پھر واقعہ شہادت کی جو کتابیں پڑھتے ہیں وہ زیادہ تر اکاذیب واباطیل کا مجموعہ ہیں اور ان کی تصنیف واشاعت سے ان کے مصنفوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ فتنہ کے نئے نئے دروازے کھلیں اور امت میں پھوٹ بڑھتی جائے۔ یہ چیز باتفاق جملہ اہل اسلام نہ واجب ہے نہ مستحب بلکہ اس طرح رونا، پیٹنا اور پرانی مصیبتوں پر گریہ زاری کرنا اعظم ترین محرمات دینیہ میں سے ہے۔ پھر ان کے مقابلے دوسرا فتنہ ہے جو یوم عاشورہ میں میں مسرت اور خوشی کی بدعت کرتا ہے۔ کوفہ میں یہ دونوں گروہ موجود تھے۔ شیعوں کا سردار مختار بن عبید تھا اور ناصبیوں کا سرکردہ حجاج بن یوسف الثقفی تھا۔

واقعات شہادت میں مبالغہ

جن لوگوں نے واقعات شہادت قلم بند کئے ہیں ان میں اکثر نے بہت کچھ جھوٹ ملا دیا ہے۔ جس طرح شہادت عثمانؓ بیان کرنے والوں نے کیا اور جیسے مغازی وفتوحات کے راویوں کا حال ہے حتیٰ کہ واقعات شہادت کے مؤرخین میں سے بعض اہل علم مثلاً مغوی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ بھی بے بنیاد روایتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ رہے وہ مصنف جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو ان کے ہاں جھوٹ بہت زیادہ ہے۔

دندان مبارک پر چھڑی مارنے کا واقعہ

صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ جب حضرت حسینؓ شہید کئے گئے تو آپ کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ کے حسن کی مذمت کی۔ مجلس میں حضرت انسؓ اور ابو برزہ اسلمیؓ دو صحابی موجود تھے۔ انسؓ نے اس کی تردید کی اور کہا: آپ رسول ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے'' صرف حضرت انسؓ ہی نہیں بلکہ اور صحابہؓ کو بھی آپ کی شہادت سے از حد ملال تھا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک عراقی نے پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی کا مارنا جائز ہے انہوں نے خفا ہو کر جواب دیا: اے اہل عراق! تمہیں مکھی کی جان کا اتنا خیال ہے حالانکہ رسول ﷺ کے نواسے کو قتل کر چکے ہو۔ بعض روایتوں میں دانتوں پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے کیونکہ جو صحابی اس واقعہ میں موجود تھے وہ دمشق میں نہیں تھے عراق میں تھے۔

یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا

متعدد مورخین نے جو نقل کیا ہے وہ یہی ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ بات ہی اس کے پیش نظر تھی۔ بلکہ وہ تو اپنے باپ معاویہؓ کی وصیت کے مطابق ان کی تعظیم وتکریم کرنا چاہتا تھا۔ البتہ اس کی یہ خواہش تھی کہ آپ خلافت کے مدعی ہو کر اس پر خروج نہ کریں۔ حضرت حسینؓ جب کربلا پہنچے آپ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے مگر مخالفوں نے نہ انہیں وطن واپس ہونے دیا نہ جہاد پر جانے دیا اور نہ یزید کے پاس بھیجنے پر رضامند ہوئے بلکہ قید کرنا چاہا جسے آپ نے نامنظور کیا اور شہید ہو گئے۔ یزید اور اس کے خاندان کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور روئے بلکہ یزید نے یہاں تک کہا: لعن اللہ ابن مرجانہ (یعنی عبیداللہ بن زیاد) اما واللہ لو کان بینہ وبین الحسین رحم لما قتلہ ترجمہ: ''ابن مرجانہ (عبیداللہ بن زیاد) پر خدا کی پھٹکار!

واللہ! اگر وہ خود حسینؓ کا رشتہ دار ہوتا تو ہرگز قتل نہ کرتا۔

اور کہا: قد کنت ارضی من طاعة اهل العراق بدون قتل الحسینؓ ترجمہ: ''بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں اہل عراق کی اطاعت منظور کر سکتا تھا۔ پھر اس نے حضرت حسینؓ کے پسماندگان کی بڑی خاطر تواضع کی اور عزت کے ساتھ انہیں مدینہ واپس پہنچا دیا۔

یزید نے اہل بیت کی بے حرمتی نہیں کی

بلاشبہ یہ بھی درست ہے کہ یزید نے حضرت حسینؓ کی طرفداری بھی نہیں کی، نہ ان کے قاتلوں کو قتل کی نہ ان سے انتقام لیا، لیکن یہ کہنا بالکل سفید جھوٹ ہے کہ اس نے اہل بیت کی خواتین کو کنیز بنایا، ملک ملک پھرایا اور بغیر کجاوہ کے انہیں اونٹ پر سوار کرایا۔ الحمدللہ مسلمانوں نے آج تک کسی ہاشمی عورت سے یہ سلوک نہیں کیا اور نہ اسے امت محمدیہ نے کسی حال میں جائز رکھا ہے۔

حضرت حسینؓ کو شہید کرنے کا گناہ عظیم

یہ بالکل درست ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت عظیم ترین گناہوں میں سے ایک گناہ تھی۔ جنہوں نے یہ فعل کیا۔ جنہوں نے اس میں مدد کی جو اس سے خوش ہوئے وہ سب کے سب اس عتاب الٰہی کے سزاوار ہیں جو ایسے لوگوں کیلئے شریعت میں وارد ہے لیکن حسینؓ کا قتل ان لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو ان سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء مؤمنین اولین شہداء یمامہ، شہداء احد، شہداء بئر معونہ، حضرت عثمانؓ یا خود حضرت علیؓ بلکہ حضرت علیؓ کے قاتل تو آپ کو کافر و مرتد سمجھتے اور یقین کرتے تھے کہ آپ کا قتل عظیم ترین عبادت ہے۔ (معاذ اللہ) برخلاف حسینؓ کے کہ ان کے قاتل انہیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں اکثر تو آپ کے قتل کو ناپسند کرتے اور ایک بڑا گناہ تصور کرتے تھے۔ لیکن اپنی اغراض کی خاطر اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے جیسا کہ لوگ سلطنت کیلئے باہمی خونریزی کرتے ہیں۔

یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ

رہا سوال یزید پر لعنت کرنے کا تو واقعہ یہ ہے کہ یزید بھی بہت سے دوسرے بادشاہوں اور خلفاء جیسا ہی ہے بلکہ کئی حکمرانوں سے وہ اچھا تھا۔ وہ عراق کے امیر ''مختار بن ابی عبید الثقفی'' سے کہیں اچھا تھا۔ جس نے حضرت حسینؓ کی حمایت کا علم بلند کیا۔ ان کے قاتلوں سے انتقام لیا مگر ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ جبریل اس کے پاس آتے ہیں۔ اسی طرح یزید حجاج بن یوسف سے اچھا تھا جو بلانزاع یزید سے کہیں زیادہ ظالم تھا۔

یزید اور اس جیسے دوسرے سلاطین وخلفاء کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فاسق تھے۔

لعنت کے بارے میں مسئلہ شرعیہ

لیکن کسی فاسد کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی میں موجود نہیں البتہ عام لعنت وارد ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (لعن اللہ السارق یسرق البیضة فتقطع یدہ) ترجمہ: ''چور پر اللہ کی لعنت ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔'' (لعن اللہ من احدث حدثا او آوی محدثا) ترجمہ: ''جو بدعت نکالے یا بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ کی لعنت۔''

یا مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت ﷺ کے پاس پکڑ کر لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کئی پھیرے ہو چکے تو ایک شخص نے کہا: لعنة اللہ ما اکثر مایوتی بہ الی النبی ﷺ ترجمہ: ''اس پر اللہ کی لعنت کہ بار بار پکڑ کر دربار رسالت میں پیش کیا جاتا ہے۔'' آنحضرت ﷺ نے سنا تو فرمایا: (لاتلعنہ فانہ یحب اللہ ورسولہ) ترجمہ: ''اسے لعنت نہ کرو کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔''

حالانکہ آپ نے عام شرابیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عام طور پر کسی خاص گروہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے مگر اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں اور معلوم ہے کہ ہر مومن اللہ اور رسول ﷺ سے ضرور محبت رکھتا ہے۔

یزید پر لعنت سے پہلے دو چیزوں کا اثبات ضروری ہے

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرا برابر بھی ایمان ہوگا وہ بالآخر دوزخ سے نجات پائے گا۔

بنابریں جو لوگ یزید کی لعنت پر زور دیتے ہیں انہیں دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں اور فاسقوں میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا روا ہے۔ رہی آیت: ﴿الا لعنة اللہ علی الظالمین﴾

تو یہ عام ہے جیسا کہ باقی تمام آیات وعید عام ہیں اور پھر ان آیتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ یہ

گناہ لعنت اور عذاب کا مستوجب ہے؟ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے اسباب آ کر لعنت و عذاب کے اسباب کو دور کر دیتے ہیں۔ مثلاً گناہگار نے سچے دل سے توبہ کر لی یا اس سے ایسی حسنات بن آئیں جو سیئات کو مٹا دیتی ہیں یا ایسے مصائب پیش آئے جو گنہگاروں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ بنابریں کون شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ یزید اور اس جیسے بادشاہوں نے توبہ نہیں کی یا سیئات کو دور کرنے والی حسنات انجام نہیں دیں یا گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا یا یہ کہ اللہ کسی حال میں بھی انہیں نہیں بخشے گا۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے:

﴿ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء ﴾ (النساء)

پھر صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی وہ مغفور ہے۔ اور معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطنیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ یزید نے یہ حدیث سن کر ہی فوج کشی کی ہوگی بہت ممکن ہے کہ یہ بھی صحیح ہو لیکن اس سے اس فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی۔

لعنت کا دروازہ کھولنے کے نتائج

پھر ہم خوب جانتے ہیں کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح کے ظلم سے ضرور آلودہ ہوتے ہیں۔ اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردہ کے حق میں صلاۃ و دعا کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت کرنے کا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (لاتسبوا الاموات وانهم قد افضوا الی ماقدموا) ترجمہ: ''مردوں کو گالی مت دو کیونکہ وہ اپنے کئے کو پہنچ گئے۔ بلکہ جب لوگوں نے ابوجہل جیسے کافر کو گالیاں دینی شروع کیں تو انہیں منع کیا اور فرمایا: (لاتسبوا اموا اتنا فتو ذوا احیاء نا) ترجمہ: ''ہمارے مرے ہوؤں کو گالیاں مت دو کیونکہ اس سے ہمارے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہ اس لئے کہ قدرتی طور پر ان کے مسلمان رشتہ دار برا مانتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے ان کے بیٹے صالح نے کہا: الا تلعن یزید؟ آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت امامؒ نے جواب دیا: متی رایت اباک یلعن احدا. تو نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے دیکھا تھا۔

آیت: ﴿فهل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنهم الله فاصمهم واعمی ابصارهم ﴾ (سورۃ محمد) ترجمہ: ''کیا تم سے بعید ہے کہ اگر جہاد

سے پیٹھ پھیرلوتو لوگ ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتے توڑنے لگیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

اس آیت سے خاص یزید کی لعنت پر اصرار کرنا خلاف انصاف ہے کیونکہ یہ آیت عام ہے اور اس کی وعید ان لوگوں کو شامل کرتی ہے جو ایسے افعال کے مرتکب ہوں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ افعال صرف یزید ہی نے نہیں کئے بلکہ بہت سے ہاشمی، عباسی، علوی بھی ان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر اس آیت کی رو سے ان سب پر لعنت کرنا ضروری ہو تو اکثر مسلمانوں پر لعنت ضروری ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال بہت عام ہیں مگر یہ فتویٰ کوئی نہیں دے سکتا۔

قاتلین حسینؓ کے متعلق روایات

رہی وہ روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسینؓ کا قاتل آگ کے تابوت میں ہوگا۔ اس اکیلے پر آدھی دوزخ کا عذاب ہوگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں آتشی زنجیروں سے جکڑے ہوں گے، وہ دوزخ میں الٹا اتارا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی تہہ تک پہنچ جائے گا اور اس میں اتنی سخت بدبو ہوگی کہ دوزخی تک اللہ سے پناہ مانگیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا جلتا رہے گا۔

تو یہ روایت بالکل جھوٹی ہے اور ان لوگوں کی بنائی ہوئی ہے جو رسول ﷺ پر تہمت باندھنے سے نہیں شرماتے۔ کہاں آدھی دوزخ کا عذاب اور کہاں ایک حقیر آدمی؟ فرعون اور دوسرے کفار و منافقین، قاتلین انبیاء اور قاتلین مومنین اولین کا عذاب، قاتلین حسین سے کہیں زیادہ سخت ہوگا بلکہ عثمانؓ کے قاتلوں کا گناہ بھی حسینؓ کے قاتلوں سے زیادہ ہے۔

اہل سنت کا مسلک معتدل ہے

حسینؓ کی طرفداری میں اس غلو کا جواب ناصبیوں کا غلو ہے جو حضرت حسینؓ کو اس حدیث کا مصداق قرار دے کر: (من اتاکم وامرکم علی رجل واحد یرید ان یفرق جماعتکم فاضربوا عنقه بالسیف کائنا من کان) (مسلم)

باغی اور واجب القتل قرار دیتے ہیں لیکن اہل سنت والجماعت نہ اس کا ساتھ دیتے ہیں نہ اس غلو کا۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ مظلوم شہید ہوئے اور ان کے قاتل ظالم و سرکش تھے اور ان احادیث کا اطلاق ان پر صحیح نہیں جن میں تفریق بین المسلمین کرنے والے کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ کربلا میں آپ

کا قصد امت میں پھوٹ ڈالنا نہ تھا۔ بلکہ آپ جماعت ہی میں رہنا چاہتے تھے مگر ظالموں نے آپ کا کوئی مطالبہ نہ مانا نہ آپ کو وطن واپس ہونے دیا نہ سرحد پر جانے دیا، نہ خود یزید کے پاس پہنچنے دیا بلکہ قید کرنے پر اصرار کیا۔ ایک معمولی مسلمان بھی اس برتاؤ کا مستحق نہیں ہوسکتا کجا کہ حضرت حسینؓ۔

اسی طرح یہ روایت بھی رسول اللہ ﷺ پر سفید جھوٹ ہے کہ: جس نے میرے اہل بیت کا خون بہایا اور میرے خاندان کو اذیت دے کر مجھے تکلیف پہنچائی، اس پر اللہ کا اور میرا غصہ سخت ہوگا۔

اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کہیں نہیں نکل سکتی تھی۔ کیونکہ رشتہ دار اور قرابت سے زیادہ ایمان اور تقویٰ کی حرمت ہے اگر اہل بیت میں سے کوئی ایسا شخص جرم کرے جس پر شرعاً اس کا قتل واجب ہو تو بالاتفاق اسے قتل کر ڈالا جائے گا۔ اگر کوئی ہاشمی چوری کرے تو یقیناً اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو قتل کر ڈالے تو قصاص میں اس کی بھی گردن ماری جائے گی۔ اگرچہ مقتول حبشی، رومی، ترکی، دیلمی غرض کوئی ہو کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: (المسلمون تتكافأ دماؤهم) ترجمہ: ''تمام مسلمانوں کا خون یکساں حرمت رکھتا ہے۔'' پس ہاشمی وغیر ہاشمی کا خون برابر ہے۔

اسلامی مساوات

نیز فرمایا: (انما اهلك من كان قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد والله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها) ترجمہ: ''اگلی قومیں اس طرح ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو چھوڑ دیا جاتا تھا لیکن جب معمولی آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دی جاتی تھی واللہ! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

اس میں آپ ﷺ نے تشریح کر دی ہے کہ اگر آپ ﷺ کا قریب سے قریب عزیز بھی جرم سے آلودہ ہوگا تو اسے شرعی سزا ضرور ملے گی۔

کسی خاندان کی خصوصیت ثابت نہیں

پھر یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ یہ کہہ کر اپنے خاندان کو خصوصیت دیں گے جو ان کا خون بہائے گا اس پر اللہ کا غصہ بھڑکے گا۔ کیونکہ یہ بات پہلے ہی مسلم ہے کہ ناحق قتل اللہ کی شریعت میں حرام ہے علاوہ اس سے کہ ہاشمی کا ہو یا غیر ہاشمی کا۔

﴿ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاء ہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ و لعنہ واعدلہ عذابا عظیما ﴾ (النساء)

پس قتل کی اباحت وحرمت میں ہاشمی وغیر ہاشمی سب مسلمان یکساں درجہ رکھتے ہیں۔اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو تکلیف دینا حرام ہے۔اب عام عام اس سے کہ آپ کے خاندان کو تکلیف دے کر ہو یا امت کو ستا کر، یا سنت توڑ کر۔واضح ہوگیا کہ اس طرح کی بے بنیاد حدیثیں جاہلوں اور منافقوں کے سوا کوئی اور نہیں بیان کرسکتا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ رسول ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے نیک سلوک کی مسلمانوں کو ہمیشہ وصیت کرتے اور فرماتے تھے۔ ''یہ تمہارے پاس میری امانت ہیں'' بالکل غلط ہے، بلاشبہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اہل بیت میں بڑا درجہ رکھتے ہیں۔لیکن نبی ﷺ نے کبھی نہیں فرمایا کہ حسینؓ تمہارے پاس میری امانت ہیں۔آنحضرت ﷺ کا مقام اس سے کہیں ارفع واعلیٰ ہے کہ اپنی اولاد مخلوق کو سونپیں۔

ایسا کہنے کے دو ھی مطلب ھو سکتے ھیں

۱) یہ کہ جس طرح مال امانت رکھا جاتا ہے اور اس کی حفاظت مقصود ہوتی ہے تو یہ صورت تو نہیں ہوسکتی کیونکہ مال کی طرح آدمی امانت رکھے نہیں جاسکتے یا یہ مطلب ہوگا کہ جس طرح بچوں کو مربیوں کے سپرد کیا جاتا ہے تو یہ صورت بھی یہاں درست نہیں ہوسکتی کیونکہ بچپن میں حسنینؓ اپنے والدین کی گود میں تھے۔اور جب بالغ ہوئے تو اور سب آدمیوں کی طرح خود مختار اور اپنے ذمہ دار ہوگئے۔اگر یہ مطلب بیان کیا جائے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کو ان کی حفاظت وحراست کا حکم دیا تھا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ امت کسی کو مصیبت سے بچا نہیں سکتی۔وہ صرف اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔اگر کہا جائے اس سے آپ کی غرض ان کی حمایت ونصرت تھی تو اس میں ان کی خصوصیت نہیں۔ہر مسلمان کو دوسرے مظلوم مسلمان کی حمایت ونصرت کرنی چاہئے اور ظاہر ہے حسنینؓ اس کے زیادہ مستحق ہیں۔

۲) اسی طرح یہ کہنا کہ آیت ﴿لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی ﴾ (میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا ہوں صرف رشتہ داری کی محبت چاہتا ہوں) حسنینؓ کے بارے میں نازل ہوئی بالکل جھوٹ ہے کیونکہ یہ آیت سورۃ شوریٰ کی ہے اور سورۃ شوریٰ مکی ہے اور حسنینؓ کے متعلق حضرت فاطمہؓ کی شادی سے پہلے اتری ہے؟ آپ کا عقد ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں ہوا اور حسن وحسینؓ ہجرت کے تیسرے اور چوتھے سال پیدا ہوئے پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (منہاج السنہ از صفحہ ۲۳۷ تا ۲۵۶، جلد ۲)